على تسعة اشهر من الهجرة ، و مسجد رسول الله ﷺ يبنى ، فدفن بالبقيع و كان نقيب النقباء(٢٢)

اسعد بن زراره قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے ، ان کی کنیت ابو امامہ تھی ، ھجرت نبوی کے نویں ماہ ان کا انتقال ھوا ، اس زمانہ میں مسجد نبوی تعمیر ھو رھی تھی ، انھیں بقیع کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا ، یہ نقیب النقباء تھے ۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت علیؓ کی روایت مذکور ہے جس میں چودہ نقیبوں کے تقرر کا حوالہ ملتا ہے :۔

و انی اعطیت اربعة عشر وزیراً نقیبا نجیبا ۔(٢٣) ۔

اور مجھے چودہ وزیر دئے گئے ھیں جو فرمانبردار ھیں اور نقیب ھیں ۔

نقباء کا ذکر ھمیں سابقہ اقوام میں بھی ملتا ہے ۔ قرآن حکیم نے بنی اسرائیل میں حضرت موسی علیه السلام کے عہد میں نقیبوں کا ذکر کیا ہے ، ارشاد ہے ۔

ولقد اخذ الله میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منهم اثنی عشر نقیبا (٢٥)

اور الله تعالی نے بنی اسرائیل سے عہد لیا ، اور ھم نے ان میں بارہ نقیب مقرر کئے ۔

حضرت موسی علیه السلام نے ان نقباء کے ذمہ مذھبی فرائض کے ساتھ ساتھ بعض اھم سیاسی ذمہ داریاں بھی سونپی تھیں ، قاضی شوکانیؒ نے ان ذمہ داریوں کو بیان کیا ہے :۔

انهم بعثوا امناء علی الا طلاع علی الجبارین ، والنظر فی قوتهم و منعتهم فساروا لیختبروا حال من بها ، ویخبروا بذلک (٢٦)

انھیں عمالقہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے ، ان کی قوت و طاقت اور دفاعی صلاحیتوں کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا گیا تھا ، تاکہ تمام حالات سے حضرت موسی علیه السلام کو مطلع کریں ۔

عمالقہ سرزمین شام میں آباد تھے، یہ لوگ بڑے صحتمند اور اچھے قدوقامت کے مالک تھے ، حضرت موسی علیہ السلام کو ان کے خلاف جہاد کا حکم ہوا تو انہوں نے قوم عمالقہ کے اندرونی حالات کا جائزہ لینے اور ان کی جنگی تیاریوں کا اندازہ کرنے کے لئے ان نقیبوں کو بھیجا تھا ۔

جہاں تک ان نقیبوں کے فرائض و اختیارات کا تعلق ہے تو ان کی بہت حد تک وضاحت سابقہ بحث اور حوالوں سے ہو جاتی ہے ۔ مثلاً ان کے فرائض میں شامل تھا کہ لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور اختلافات کو ختم کرائیں ، لوگوں کے حالات سے پوری طرح باخبر رہیں ، ان کے حالات اور ضروریات سے حکومت کو بھی باخبر رکھیں ، خاص طور پر باصلاحیت اور صاحب ہنر افراد کی صلاحیتوں سے حکومت کو مطلع کرتے رہیں ، تاکہ حکومت ان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں سے فائدہ اٹھا سکے ، نبی کریم ﷺ نے بیعت عقبہ کے موقع پر نقیبوں کو ان کے فرائض سے اس طرح آگاہ فرمایا تھا :۔

انتم علی قومکم بما فیھم کفلاء ککفالة الحواریین لعیسی بن مریم
وانا کفیل علی قومی ، قالوا : نعم(۲۷)

تم اپنی قوم کے معاملات کے اس طرح ذمہ دار ہو جس طرح عیسی بن مریم کے حواری ذمہ دار تھے اور میں بھی اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں ، لوگوں نے اقرار کیا کہ ٹھیک ہے۔

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی معاشرتی اور سیاسی معاملات کی ذمہ داریاں ان نقیبوں کو سونپی گئی تھیں ۔ یہی لوگ قانون پر عمل درآمد کراتے تھے ، اور یہی لوگ حکومت کے مشیر خاص بھی ہوتے تھے ، حکومت کی سمع و طاعت کی نگرانی بھی یہی نقیب کرتے تھے ۔ لیکن سب سے اہم فریضہ جو یہ نقباء انجام دیتے تھے وہ تربیت اور تہذیب نفس کا فریضہ تھا ، یہ لوگ اپنے حلقۂ اثر میں لوگوں کی اخلاقی تربیت اور تزکیہ نفس کے لئے بھرپور جدو جہد کرتے تھے ، حضرت عبد اللہ بن رواحہ کی تربیتی مجلس مورخین کے ہاں مجالس ایمان کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عبد اللہ بن روحہ

لوگوں سے ملاقات کرتے اور بہت دلکش انداز میں محبت و شفقت کے ساتھ فرماتے :-

تعال! نؤمن بربنا ساعة .

آؤ تھوڑی دیر بیٹھکر رب العلمین پر ایمان تازہ کریں

حضرت ابو درداء فرماتے ھیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے انداز تربیت کو کبھی نہیں بھول سکتا ، وہ جب مجھے ملتے تو بہت شفقت کے ساتھ میرے شانہ پر ھاتھ رکھ کر فرماتے ,,میرے عزیز عمیر آؤ تھوڑی دیر بیٹھکر ایمان تازہ کریں (۲۸) ۔

حضرت اسعد بن زرارہ نے تو دعوت و تربیت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا ، علامہ بلاذریؒ لکھتے ھیں کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں دعوت و ارشاد کا کام بڑی جدو جہد ، انتہائی خلوص اور جذبہ کے ساتھ کیا ، انھی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مدینہ منورہ میں اسلام بہت تیزی کے ساتھ پھیل گیا۔ جمعہ کا اھتمام بھی انھی کے زیر نگرانی ھوتا تھا (۲۹) ۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک عظیم الشان مہذب اور منظم معاشرہ پیدا کرنے کے لئے یہ اھم اور بنیادی کام کیا کہ تمام سیاسی قائدین، اھم عہدوں پر فائز سرکاری حکام ، سفراء و امراء سب کو اسلامی نظریہ حیات کی اشاعت ، لوگوں کی تربیت و تزکیہ نفس کا فریضہ بھی انجام دینے پر مامور کر دیا تھا ۔ یہ تمام افراد معلمین اخلاق کی حیثیت رکھتے تھے ، یہی وجہ تھی کہ بہت جلد معاشرہ میں اخلاقی قدروں کو بالادستی حاصل ہوگئی تھی ، اور مجموعی طور پر سارا نظم قانون و اخلاق کا پابند ہو گیا تھا ۔

آج اسلامی نظام کے نفاذ کا جذبہ رکھنے والے دانش ور ، عوام اور حکومت کے سنجیدہ افراد اگر مخلصانہ طور پر اس نسخہ کیمیا کو آزمائیں تو ھمیں امید ہے کہ اصلاح معاشرہ میں رسول رحمت کی یہ پالیسی تیر بہدف ثابت ہوگی ۔

****

حــــــواشـــــی

(۱) امام نووی ، ریاض الصالحین ، باب التوبہ ، ص ۱۷ مطبوعہ مصر ۱۳۵۷ھ کعب بن مالکؓ کے الفاظ یہ ہیں ..وما احب ان لی بها مشهد بدر و ان کانت بدر اذکر فی الناس منها۔
(۲) دیکھئے مقالہ ..مواخاۃ اسلامی معاشرہ کا سنگ بنیاد، فکر و نظر ، جمادی الآخرہ ۱۳۰۱ھ ، اسلام آباد
(۳) الطبری ج ۳ ص ۸۷ طبع مصر ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۴۷
(۴) تاج العروس ج ٦ ص ۱۹۵ ، مجمع البحار ج ۲ ص ۳۷۳ ، لسان العرب لفظ عریف
(۵) فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۳۸
(٦) تاج العروس ج ٦ ص ۱۹۵
(۷) مختصر المعانی ص ۱۳۳ ، مطبوعہ قرآن محل کراچی
(۸) الجامع الصحیح للبخاری ج ۲ ، کتاب الاحکام ص ۱۰٦۳ ، فتح الباری ج ۲۳ ص ۱۳۸
(۹) سنن ابی داؤد ، باب العرافہ ، ص ۴۰۷ مطبوعہ اصح المطابع ، کراچی
(۱۰) الجامع الصحیح للمسلم ج ۲ ص ۱۲۹
(۱۱) فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۳۸
(۱۲) الجامع الصحیح للبخاری ، کتاب الشهادات ج ۱ ص ۳٦٦
(۱۳) الطبری ج ۳ ص ۸۷
(۱۴) ایضــــــاً
(۱۵) مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳۱۴
(۱٦) مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۲۲
(۱۷) تاج العروس ج ۱ ص ۳۹۲
(۱۸) ایضــــــاً
(۱۹) مجمع البحار ج ۳ ص ۳۸٦ ـ لسان العرب ج ۱ ص ٦۹۷
(۲۰) شبلی ، سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲٦۳
(۲۱) سیرۃ ابن ہشام ، بیعت عقبہ ثانیہ
(۲۲) صحیح مسلم ، ج ۲ کتاب الحدود ص ۸۱
(۲۳) بلاذری ، انساب الاشراف ، تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ ج ۱ ص ۲۴۳
(۲۴) مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۸۸
(۲۵) المائــــــدہ ـ ۱۲
(۲٦) الشوکانی ، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰
(۲۷) ابن کثیر ، البدایۃ و النہایہ ج ۳ ص ۱٦۲
(۲۸) ابن الاثیر ، اسد الغابہ : ج ۳ ص ۱۵۱ ـ ابن حجر عسقلانی الاصابہ ج ۲ ص ۲۹۸
(۲۹) بلاذری ، انساب الاشراف ج ۱ ص ۲۴۳ .

★★★★★★

Fikr-o-Nasar (Islamabad) 19:4 (1981)

عربوں کی فتح سندھ

ڈاکٹر مبارک علی

اسلام کے ابتدائی زمانے میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں سندھ پر حملے ہوئے ، لیکن ان حملوں کا مقصد سندھ کی فتح نہیں تھا ۔ اس وقت کی سیاسی فضا بھی اس کے لئے سازگار نہیں تھی ۔ مسلمانوں کی فوجیں دوسرے اہم محاذوں پر برسر پیکار تھیں ۔ سندھ کے بارے میں ان کی معلومات محدود تھیں ۔ اور ایسی دور دراز مہم پر فوج کو بھیجنا اس کو خطرے میں ڈالنا تھا ۔ اس کے علاوہ اس وقت تک سندھ کی اہمیت بھی واضح نہیں ہوئی تھی ۔ لیکن اسلامی سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ جب سندھ کی سرحدیں ان کی سرحدوں سے ملیں ، سیاسی حالات بدلے ، تو اس وقت ایسے حالات پیش آئے جن کی وجہ سے سندھ کی فتح مسلمانوں کے لئے ناگزیر ہو گئی ۔

فتح سندھ

سندھ کی فتح میں کون سے عوامل کام کر رہے تھے ، سیاسی یا اقتصادی ؟ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مسلمانوں کی فتوحات جہاں ان کے سیاسی تسلط کو وسعت دے رہی تھیں وہاں مال غنیمت ، جزیہ اور خراج سے ان کی خوشحالی میں اضافہ ہو رہا تھا ۔ فاتح،مفتوح علاقوں میں آباد ہو کر وہاں کی زمینوں اور وسائل دولت سے فائدہ اٹھا رہے تھے ۔ سندھ کی فتح کا زمانہ خلیفہ ولید کا زمانہ ہے جب کہ خلافت کے مشرقی صوبوں کا گورنر حجاج ثقفی تھا ۔ اس کے نزدیک اموی خاندان کا استحکام اور ان کی قوت و طاقت میں اضافہ سب سے بڑا مقصد تھا ۔ وہ انتہائی کامیابی کے ساتھ وسط

ایشیا میں مہمات کی نگرانی کر رہا تھا۔ اور اس کے نزدیک خلافت بنی امیہ کی وسعت ہر اس علاقہ میں ضروری تھی جہاں مسلمان قوت و طاقت کے ذریعہ کامیابی حاصل کر سکیں ، ساتھ ہی یہ بھی اس کا کارنامہ ہے کہ اس نے اپنے علاقہ میں امن و امان قائم رکھا اور ہر طبقہ کے مفادات کا تحفظ بھی کیا۔

سندھ پر حملے کی وجوہات میں ، البلاذری نے فتوح البلدان میں سب سے پہلے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو دیبل میں پیش آیا۔ مسلمانوں کے تجارتی جہاز ، جن میں عورتیں اور بچے بھی سوار تھے ، سراندیب (سیلون) سے آتے ہوئے دیبل کے مقام پر جو راجہ داہر کا علاقہ تھا لوٹے گئے۔ جب عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا گیا تو اس وقت ایک لڑکی نے حجاج سے مدد مانگی۔ حجاج کو اس کی اطلاع ملی تو اس سے متاثر ہوا اور فوراً سندھ کی فتح کے لئے مہمات بھیجنی شروع کیں (۱)۔

البلاذری کے اس واقعہ کو بعد کے آنے والے مورخین نے اسی طرح سے نقل کیا ہے ، اور اسے سندھ پر حملہ کرنے کی وجہ بتائی ہے۔ اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے ,,آئینہ حقیقت نما،، میں جہاں سندھ کی فتح کے دوسرے اسباب پر روشنی ڈالی ہے وہاں اس واقعہ کو سندھ کی فتح کا سب سے اہم جواز بتایا ہے۔

> ,,اب ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے حملہ آوری کا استحقاق پیدا ہو گیا تھا یا نہیں ، اگر اب بھی اسلامی لشکر حملہ آور ہونے سے تامل کرتا ، اور اپنے قیدیوں کو چھڑانے اور راجہ داہر کو سزا دینے میں تساہل سے کام لیتا تو اس سے بڑھ کر سلطنت اسلامیہ کے وقار کو نقصان پہنچانے والی دوسری بات نہیں ہو سکتی تھی ،، (۲)۔

اگر اس واقعہ کا جائزہ لیا جائے اور حجاج کی شخصیت کو سامنے رکھا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اگر سندھ کے راجہ داہر

کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی خرابی کی وجہ صرف یہ واقعہ ہوتا اور دوسرے سیاسی اسباب نہیں ہوتے تو کیا صرف ایک لڑکی کی فریاد حجاج کو اس قدر متاثر کر سکتی تھی کہ وہ سندھ پر ایک بڑی فوج خلیفہ کی مرضی کے خلاف اور مالی مشکلات کے باوجود بھیجتا ۔ حجاج ایک زبردست سیاستدان تھا اور سیاست میں جذبات کی رو میں بہہ کر خطر ناک کام نہیں کئے جا سکتے ۔ حجاج نے اپنے دور حکومت میں جس طرح لاکھوں افراد کو جیل میں ڈالا اور ہزاروں کو قتل کرایا ، اس کے لئے ایک لڑکی کی فریاد کی کیا اتنی اہمیت ہو سکتی ہے ؟ لیکن حملہ کی سب سے بڑی وجہ اسی واقعہ میں ہے اور یہ وجہ مسلمان عورتوں اور بچوں کی حفاظت یا انسانی جذبات نہیں بلکہ سیاسی و اقتصادی ہے ۔ یہ تجارتی جہازوں کی لوٹ ہے جو حملے کا محرک ہوئی ۔ مسلمان تاجر اس وقت تک تجارت کی غرض سے ہندوستان کے سواحلی علاقوں تک آتے جاتے تھے اور جگہ جگہ ان کی نو آبادیاں واقع تھیں ۔ جزیرہ سراندیب میں بھی ان کی نو آبادی تھی اور تجارتی تعلقات قائم تھے ۔ تجارتی جہازوں کو سمندر میں لوٹ لینے کا یہ پہلا واقعہ تھا ۔ اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد یہ بات یقینی ہے کہ مسلمان تاجروں میں زبردست پریشانی اور ہیجان پیدا ہوا ہوگا ، اور اس بات کا خطرہ حکومت کے سامنے آیا ہوگا کہ اگر سمندری راستے کی حفاظت نہیں کی گئی تو ان کی تجارت پر اس کا اثر ہوگا ۔ حجاج نے بھی ایک سیاستدان کی حیثیت سے اس بات کا اندازہ لگایا ہوگا ، اس لئے اس نے راجہ داہر سے خط و کتابت کرکے جہازوں کی لوٹ کے بارے میں استفسار کیا ، لیکن راجہ داہر نے سرے سے اس بات ہی سے انکار کر دیا کہ یہ جہاز اس کے اشارے پر لوٹے گئے ۔(۳) اس لئے حجاج کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ سندھ پر حملہ کرکے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لے تاکہ دیبل کی بندرگاہ اور سمندر کا راستہ مسلمان تاجروں کے لئے محفوظ ہو جائے ۔

مسلمان عورتوں اور بچوں کی گرفتاری ، ایک لڑکی کی فریاد ایک ایسا واقعہ تھا جس سے مسلمان عوام کی اکثریت کو قومی جوش دیکر فوج میں

شامل ہونے کی تلقین کی جا سکتی تھی ۔ اور اس واقعہ کی تشہیر سے ان میں راجہ داہر کے خلاف جوش اور نفرت پیدا کی جا سکتی تھی ۔ اس لئے اس واقعہ کو اس قدر اہمیت دی گئی اور بعد میں آنیوالے مورخین نے اسے سندھ کی فتح کا سب سے بڑا اور اہم جواز سمجھا ، لیکن حالات کے جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے پس منظر میں تجارتی مقاصد تھے ، جو سندھ کے فتح ہونے کے بعد ہی پورے ہو سکتے تھے ۔ سندھ کی فتح کے بعد کے حالات نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ اس سے مسلمان تاجروں کو جو تحفظات ملے ، ان سے ان کی تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا ۔ اور دیبل کے بحری راستہ کے محفوظ ہونے کے بعد وہ بلاخـوف و خطـر ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں آتے جاتے رہے ۔

سندھ میں اسلام پھیلنے کی وجہ !

سندھ میں اسلام جس قدر تیزی کے ساتھ پھیلا ، یہ بھی مورخین کے لئے ایک پیچیدہ مسئلہ ہے ۔ اس لئے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی کیا وجوہات تھیں ۔ جب کہ محمد بن قاسم سے لیکر دوسرے گورنروں اور بعد میں خود مختار حکمرانوں کے زمانہ تک مسلمانوں کا مقصد سندھ میں سیاسی طور پر قبضہ کرنا اور حکومت کرنا تھا ۔ محمد بن قاسم نے سندھ کی فتح کے بعد نہ تو کسی کو بجبر مسلمان کیا اور نہ ہی حکومت کی جانب سے کوئی تبلیغی کام ہوا لیکن اس کے باوجود لوگ کثرت کے ساتھ مسلمان ہوئے ۔

اس کے مقابلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ شمالی ہندوستان میں جہاں صدیوں تک اسلامی حکومت رہی وہاں اسلام کا غلبہ نہیں ہوا اور صوفیہ کی تبلیغ ، حکومت کے اثر اور سیاسی وجوہات سے بہت کم لوگ مسلمان ہوئے ۔ سندھ اور شمالی ہندوستان میں اسلام کے بارے میں یہ دو متضاد تصویریں سامنے آتی ہیں ۔

سندھ میں اسلام پھیلنے کی وجہ یہ تھی کہ یہاں مسلمانوں کی آمد کے وقت اکثریت بدھ مذہب کو ماننے والی تھی ۔ بدھ مذہب ایک فلسفیانہ طرز

کا مذہب ہے ، جس میں وسعت و کشادگی اور رواداری ہے ۔ اس کے مقابلہ میں شمالی ہندوستان میں ہندو مذہب کا زور تھا ، جسے صدیوں کی روایات نے انتہائی پختہ بنا دیا تھا ۔ اس لئے اس کے عقائد میں سختی اور شدت تھی ۔ یہ اس کے پیروؤں کے ذہن و دماغ میں پوری طرح سرایت کئے ہوئے تھا ، جو ہر نئی چیز سے دور بھاگتے تھے ۔ اس لئے شمالی ہندوستان میں اسلام ، سیاسی طاقت کے باوجود ، غلبہ نہیں پاسکا ، جبکہ سندھ میں اسلام کی تعلیمات نے بدھ مذہب ماننے والوں کے ذہن اور دماغ کو متاثر کیا اور ان کے لئے تبدیل مذہب کوئی روحانی تکلیف یا دشواری کا باعث نہیں ہوئی ، اور ان کے ذہن نے آسانی کے ساتھ نئے عقائد کو تسلیم کر لیا ۔ یہی وجہ تھی کہ سندھ قلیل مدت میں مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ ہو گیا ۔

سندھ اور عربی زبان

سندھ کی فتح ، سندھ میں عربوں کی آمد ، ان کی حکمرانی اور ان کے تسلط کے ساتھ ساتھ یہاں عربی زبان بھی یقیناً آئی ہوگی ، لیکن یہ کیا وجہ تھی کہ سندھ کے عوام میں عربی زبان مقبول نہیں ہوئی اور یہاں کی اکثریت نے اپنے علاقے کی زبان کو ترک نہیں کیا ۔ جبکہ شمالی افریقہ ، اور اسپین تک کے علاقے جو عربوں نے فتح کئے تھے انہوں نے وہاں تہذیبی و ثقافتی طور پر اس قدر اثر ڈالا کہ ان کی قومی زبانیں ختم ہو گئیں اور عربی کا رواج ہوا اور ان کی مادری زبان عربی ہو گئی ۔

اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے جب ہم مسلمانوں کی شمالی علاقہ میں فتوحات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان کی فتوحات کے ساتھ ساتھ عربی زبان عراق تک آتی ہے لیکن ایران ، خراسان اور وسط ایشیا کے علاقوں میں عربی زبان مقبولیت حاصل نہیں کر سکی ، اور قدیم فارسی زبان یا دوسری زبانیں قائم رہیں ۔ عربی زبان کی اہمیت مسلمان ہونے کے بعد ان علاقوں میں صرف مذہبی زبان کی تھی ۔ سندھ میں عربی زبان بھی اس وجہ سے نہیں آ سکی ، اس کا عرب علاقہ سے بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں رہا ۔

اس لئے یہاں کی مقامی زبان عوام میں باقی رہی ۔ اس ضمن میں ایک دوسرا سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ سندھ میں جو مسلمان آباد ہوئے اور جن کی وجہ سے سندھ کی تہذیبی و ثقافتی زندگی متاثر ہوئی ان میں اکثریت عربوں کی تھی یا غیر عربوں کی ؟ سندھ میں عربی زبان کے عوامی زبان نہ ہونے کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان نوآبادکاروں میں اکثریت غیر عرب مسلمانوں کی تھی ۔

حوالے

۱ ۔ البلاذری ، احمد بن یحیی بن جابر ۔ فتوح البلدان ۔ اردو ترجمہ ابو الخیر مودودی ، کراچی ۱۹٦۲ء ۔ ص ٦۱۸

۲ ۔ اکبر شاہ خان نجیب آبادی ۔ آئینہ حقیقت نما ۔ کراچی ۱۹۵۸ء ۔ ص ۱۰۳ ۔

۳ ۔ ایضاً ۔ ص ۱۰۳

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

اسلامی قانون کی تدوین جدید ،
اُصـــول ، اور طریق کار

(۲)

مفتی سید سیاح الدین کاکاخیل

(یہ اُس مضمون کا بقیہ حصہ ہے ۔ جو رسالہ ,,فکرونظر،، شمارہ ۷ جلد ۱۸ بابت ماہ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ مطابق جنوری ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا تھا ۔ اور اس کے آخرمیں ناتمام لکھا گیا تھا ۔ چند اعذار کی وجہ سے اس قسط ثانی کی اشاعت میں تاخیر ہوگئی) ۔

علامہ شامیؒ کے رسالہ نشر العرف کے صفحہ ۱۲۵ کی جو عبارت ہم نے پہلے نقل کی ہے ۔ اس میں ایک جملہ ہے ۔ فکثیر من الاحکام تختلف باختلاف الزّمان لتغیر عرف اهله او لحدوث ضرورة اوفساد اهل الزمان بحیث لو بقی الحکم علی ما کان علیه اوّلاً للزم منه المشقة والضرر والنساد الخ ۔

فساد اهل زمان کی وجہ سے اجتہادی احکام شرعی میں جو تغیّر و تبدل آیا کرتا ہے وهاں فساد سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے اخلاق میں انحطاط رونما ہوا ہو ، تقوی اور خدا ترسی کا فقدان ہو ، لوگوں میں مال و زر کی محبت اتنی زیادہ ہو گئی ہو کہ عام طور پر لوگ دوسروں کے حقوق میں دست درازی اور دوسروں کے اموال و املاک حاصل کرنے میں بے باک ہوں ۔ میں اس بات کو مزید واضح کرنے کے لئے چند ایسے فقہی مسائل ذکر کرتا ہوں جن میں ہمارے حنفی فقہاء متاخرین نے اپنے مذہب کے ائمہ کرام کے اجتہاد کے خلاف عمل کیا ہے ۔ اور ان ائمہ کرام سے اختلاف کرکے شرعی حکم بدلنے کا سبب صرف یہ ہے

کہ اہل زمانہ کے اخلاقی انحطاط نے ان کو مجبور کیا ہے کہ وہ اس حکم میں تغیّر کریں تاکہ اہل حقوق کے حقوق محفوظ ہوں اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور مفاسد کا سدّباب ہو جائے۔

(۱) حنفی مسلک کا یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ قرض کی ذمہ واری مقروض کی ذات پر عائد ہوتی ہے۔ اس کے املاک اور جائداد غیر منقولہ اور اشیائے منقولہ پر اس کے قرض کی ذمہ‌واری عائد نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے حنفیہؒ کے ہاں ایک مقروض شخص اپنی مملوکہ جائداد اور اپنے اموال میں جو تصرف بھی کرے وہ شرعاً درست اور نافذ ہوگا۔ اگرچہ اس پر قرض خواہوں کا واجب الادا قرض اس کی مملوکہ اموال و جائداد کی قیمت کی مقدار سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس بناء پر اگر ایک مقروض شخص اپنی ساری جائداد وقف کر دے اور قرضہ ادا کرنے کے لئے اپنے اموال میں سے کچھ بھی باقی نہ چھوڑے تو بھی اس کا وہ وقف فقہائے حنفیہؒ کے ہاں شرعاً جائز اور نافذ ہوگا، بشرطیکہ اس سے قبل ایک حکومت نے اسے محجور نہ کیا ہو یعنی اس کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک نہ دیا ہو۔ یہ حنفیہ کے ہاں ایک اجتہادی مسئلہ تھا، کسی صریح نصّ پر اس کی بنیاد نہیں تھی۔ لیکن مرور زمانہ کے ساتھ جب لوگوں کے حالات و خیالات بدل گئے، اور دیکھا گیا کہ لوگوں کو اہل حقوق کے حقوق واجبہ ادا کرنے کا احساس کم ہو گیا، اور لوگوں نے قرض خواہوں کے مطالبہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنے مال کو خود اپنی ذات پر یا وقف علی الاولاد کے طریقہ کے مطابق اپنی اولاد پر اور یا آخر میں رفاہ عامہ کے کسی کام پر وقف کرنا شروع کر دیا، اور پیش نظر صرف یہ ہوتا تھا کہ جب کوئی چیز مملوکہ رہے گی نہیں تو قرض خواہ اس مفلس و تنگدست ذوعُسرۃ سے اپنے قرض کا کیا مطالبہ کر سکے گا، اور قضاءً اس سے وصولی نہیں ہو سکے گی، جب متأخرین حنفیہ نے اپنے زمانہ میں یہ صورت حال دیکھی تو کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے مذہب حنفی کے اس پہلے اجتہاد کے خلاف شہرہ آفاق فقیہ مفتی سلطنت عثمانیہ مفتی روم

مولی ابو السعود (المتوفی ۹۸۲ھ) نے فتوی دیا کہ مقروض کا وقف صرف اسی قدر مال میں جائز اور نافذ متصور ہوگا جو اس پر عائد شدہ قرض سے زائد ہو۔ اور اس اجتہاد اور فتوی کو مملکت میں عملاً نافذ کرنے کے لئے انہوں نے سلطان اور خلیفۂ وقت کی طرف سے ایک حکمنامہ بھی جاری کرایا ۔ ان کے زمانے کے بعد فقہائے حنفیہ نے اس اجتہاد اور اس فتوی اور اس حکم کو تسلیم کیا اور اس کو حنفیت کے خلاف نہیں سمجھا ۔ ایک زمانہ تک جب قرض خواہوں کے مطالبہ سے نجات حاصل کرنے کے لئے مذکورہ بالا طریقوں کے مطابق وقف کرنے کا اقدام کیا جاتا تھا تو اس کے سدّ باب کے لئے اس دور میں صرف وقف کے نافذ و جائز نہ ہونے کا مسئلہ تھا ۔ پھر بعد کے ادوار میں کچھ لوگوں نے اسی مقصد کے لئے وقف کے بجائے جائداد فروخت کرنے یا ھبہ کرکے اپنی ملک سے نکالنے کا راستہ اختیار کیا توجو علّت وقف کو جائز نہ قرار دینے کی تھی وہ علّت اس میں بھی پائی جاتی تھی ، کیونکہ بیع و ھبہ کا مقصد بھی یہ ہوتا تھا کہ قرض خواہ کا مطالبہ ٹل جائے اور وہ اس سے اپنا قرضہ وصول نہ کر سکے ۔ مفتی ابو السعود کے اجتہاد کی بنیاد تو یہ تھی کہ قرض خواہوں کے حقوق کے تحفظ کا انتظام ہو جائے اور ان کو اپنا جائز حق پہونچ سکے ، عدل و انصاف کا تقاضا پورا ہو،اس لئے پھر بعد کے بعض فقہائے حنفیہ نے مزید اجتہاد کرکے مقروض کے بیع اور ھبہ کو بھی غیر نافذ قرار دیا ۔ اگر اس کی صورت یہ ہو کہ اس طرح جائداد مملوکہ اس کی ملکیّت سے نکل جاتی ہو اور ادائے قرض کے لئے اس کے پاس کچھ بھی نہ بچتا ہو ۔ اگر قرض خواہ نے مقروض کو اس قسم کے تصرّفات کی اجازت نہ دی ہو تو وہ قاضی کے ہاں سے اس قسم کے تصرفات کو باطل کرا سکتا ہے ۔ اب دیکھئے فساد اھل زمان کی وجہ سے فقہ حنفی کے اصلی مسئلہ میں جو اجتہادی تھا تبدیلی کی گئی جو عدل و انصاف کا لازمی تقاضا اور دینی مصلحت کے مطابق ہے ۔

(۲) حضرات ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالی کے ہاں یہ مشہور مسئلہ ہے منافع المغصوب لا تضمن ۔ یعنی اگر کسی شخص نے کسی دوسرے

شخص کی مملوکہ چیز غصب کرکے اپنے قبضہ میں رکھ لی اور کچھ عرصہ تک اس سے فائدہ حاصل کرتا رہا مثلاً گھوڑا غصب کیا اور چار مہینے تک اس پر سواری کرتا رہا اس سے فائدہ اٹھاتا رہا یا کسی اور کو کرائے پر دیا اور اس سے چار ماہ کا کرایہ لے لیا۔ چار ماہ کے بعد گھوڑا اصل مالک کو واپس کر دیا۔ گھوڑے میں کوئی نقص کمی نہیں۔ مالک اپنا گھوڑا تو لے لیگا۔ لیکن اس کو چار ماہ کے فائدہ اٹھانے کے عوض میں کسی مالی مطالبے کا حق قضاءً نہیں ہے۔ دیانةً ما بینه و بین الله تو اس غاصب کو چاهیئے کہ اصل مالک کو چار ماہ کا اتنا کرایہ دیدے جتنا کرایہ اتنے عرصے کی سواری کرنے کا عرف و رواج کے مطابق ہو سکتا ہے۔ یا فقراء ومساکین پر تصدق کرے۔ ذاتی استعمال میں لانا اس کے لئے جائز نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل و دلائل مبسوط امام سرخسیؒ ج ۱۱ صفحہ ۷۷ پر اور دوسری مطولات میں موجود هیں۔ لیکن اگر وہ عند الله براءت ذمہ کیلئے نہیں دےرہااور مالک کسی قاضی کے هاں دعوی دائر کرکے چار ماہ کے کرائے کا مطالبہ کرے تو منافع المغصوب لا تضمن کے اصول کے مطابق قاضی اسے کرایہ نہیں دلوائے گا اور اس کا مطالبہ خارج کر دیا جائے گا۔ لیکن حنفی فقہائے متأخرین نے جب دیکھا کہ غاصبوں کی دلیری ہے اور دینی احساس کی کمی ہے۔ اور بہت سے لوگ جری ہو کر اور خوف خدا سے بے نیاز ہو کر اموال غصب کرتے هیں اور ان سے فوائد و منافع حاصل کرتے رہتے هیں تو انہوں نے یہ فتوی دیا کہ اگر مغصوبہ چیز وقف ہے یا کسی یتیم کا مال ہے۔ یا مال کے مالک نے اس چیز کو منافع حاصل کرنے کے لئے رکھا ہے مثلاً وہ گھوڑا کرائے پر چلا رہا تھا یا مکان کرایہ پر لوگوں کو دیا کرتا تھا تو ان تین صورتوں میں قضاءً بھی مال کا مالک منافع کا اجر مثل وصول کر سکتا ہے۔ (تفصیل کے لئےدیکھیئے الدر المختار مع رد المحتار للشامیؒ ج ۵ صفحہ ۱۳۵ و صفحہ ۱۳۶)

تو دیکھیئے مذهب حنفی کے مسلّمہ اصول کے خلاف متأخرین فقہاء حنفیہ نے لوگوں کو ظلم و زیادتی سے روکنے کے لئے یہ فتوی دیا اور اصل حکم میں تغیر و تبدّل کیا۔ اور اس کا بنیادی سبب زمانے کا بگاڑ اور اهل زمانہ کے

اخلاق کا انحطاط ہے۔ اسی علّت کو پیش نظر رکھ کر حنفی اجتہاد کے قاعدہ میں اس اجتہاد متاخرین پر مزید یہ اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ مذکورہ تین قسم کے اموال مغصوبہ کے علاوہ دوسرے قسم کے اموال مغصوبہ کے منافع کا تاوان بھی غاصب سے قضاءً لیا جائے کیونکہ اس زمانے میں نیتوں کا فساد اور بھی بڑھ گیا ہے۔ آج کل بہت سے لوگوں کی نظریں دوسروں کے اموال پر لگی رہتی ہیں اور حقوق ادا کرنے میں عام طور پر پہلوتہی کی جاتی ہے اس لئے دینی مصالح کا یہی تقاضا ہے تاکہ غصب کا یہ سلسلہ بڑھنے کے بجائے اس تاوان دلانے کی وجہ سے گھٹ جائے اور ہر کوئی کسی کے اموال چھیننے اور مفت فائدہ اٹھانے کی جرأت نہ کرے۔

(۳) حنفی مذہب کا ایک مسلّمہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شوہر نے اپنی منکوحہ بیوی کو مہر معجل ادا کر دیا تو پھر شوہر جہاں چاہئے اسے لے جا سکتا ہے۔ لیکن جب آخری زمانہ میں لوگوں کا اخلاقی زوال بڑھ گیا۔ بیویوں پر ظلم و زیادتی ہونے لگی۔ بہت سے ایسے شوہر دیکھے گئے کہ وہ اپنی بیویوں کو دور و دراز ملکوں میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ جہاں پر ان کی بیویوں کے اعزّہ و اقارب میں سے کوئی نہیں ہوتا تھا۔ وہ بچاری تنہا اور بے آسرا ہوتی تھیں اور یہ شوہر ان کو بے آسرا سمجھ کر ان کے شرعی حقوق غصب کرتے تھے اور ہر قسم کے مظالم توڑتے تھے تو متاخرین حنفیہؒ نے اس صورت حال کو دیکھ کر مظلوموں کی داد رسی کی شرعی مصلحت کی خاطر یہ فتوی دیا کہ خواہ عورت کو مہر معجل ادا کر دیا گیا ہو پھر بھی اس کو اپنے وطن سے یا جہاں پر عقد ہوا ہے وہاں سے دور و دراز ملکوں میں لے جانے پر کوئی شوہر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ فتوی بھی فساد زمانہ اور لوگوں کی اخلاقی خرابی پر مبنی ہے اور اسی لئے قول مفتی بہ قرار پایا اور قاضی اس کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔ رد المحتار للعلامہ الشامیؒ میں ہے۔ قوله لكن فى النهر ومثله فى البحر حيث ذكر اولا انه اذا اوفاها المعجل فالفتوى على أنه يسافر بها كما فى جامع الفصولين و فى الخانية والوالجية انه ظاهر الرواية ثم ذكر عن الفقيهين ابى القاسم الصفّار و ابى

اللیث انه لیس له السفر مطلقا بلا رضاها لفساد الزمان لانها لاتأمن علی نفسهافی منزلها فکیف اذا خرجت و انه صرّح فی المختار بان علیه الفتوی و فی المحیط انه المختار و فی الولوالجیة ان جواب ظاهر الروایة کان فی زمانهم أما فی زماننا فلا و قال فجعله من باب اختلاف الحکم باختلاف العصرو الزمان کما قالوا فی مسئلة استئجار علی الطاعات ثم ذکر ما فی المتن عن شرح المجمع لمصنفه ثم قال فق اختلف الافتاء والاحسن الافتاء بقول الفقیهین من غیر تفصیل و اختاره کثیر من مشائخنا کما فی الکافی و علیه عمل القضاة فی زماننا کما فی انفع الوسائل اھ (شامیؒ ج ۲ صفحہ ۳۶۹) علامہ شامیؒ نے مزید تفصیل بھی لکھی ہے ملاحظہ کیجئے ج ۲ صفحہ ۳۷۰)

(۴) فقہ حنفی کا ایک مسلّمہ اصول یہ بھی مذکور ہے۔ کہ قاضی اپنے ذاتی علم کی بناء پر بھی مقدمات کے فیصلے کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور بہ حیثیت قاضی یہ اس کا حق ہے۔ یعنی جب دو شخصوں کا کسی معاملہ میں جھگڑا ہو۔ اور مدّعی اور مدّعاعلیہ فیصلہ کرانے کے لئے قاضی کے ہاں پیش ہوں۔ قاضی کو ذاتی علم ہو کہ اس معاملے میں مدّعی کا دعوی درست ہے اور مدّعاعلیہ کے ذمّہ اس کا حق بنتا ہے۔ تو مدّعی کو اثبات دعوی کے لئے شہادت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، بلکہ قاضی کا وہ ذاتی علم جو واقعہ کے بارے میں ہے شہادت کے قائم مقام بن جائے گا۔ اور جس طرح قاضی عادل گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر مدعی کے حق میں اور مدعاعلیہ کے خلاف فیصلہ شرعاً کرتا ہے اسی طرح محض اپنے ذاتی علم کی بناء پر بھی مدّعی کے حق میں فیصلہ دے سکتا ہے اور یہ فیصلہ بھی شرعی اور نافذ فیصلہ قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے بعض فیصلے بھی اس اصول کی نظیر کی حیثیت سے پیش کئے جاتے ھیں۔ لیکن بعد کے ادوار میں یہ دیکھا گیا کہ تقوی اور دیانت کے اعتبار سے اس درجہ کے قاضی موجود نہیں کہ ان پر اتنے اھم معاملہ میں پورا پورا اعتماد کیا جا سکے۔ بلکہ بارہا کے تجربوں سے فساد نیت، بد دیانتی جنبہ داری اور رشوت کی مثالیں بھی سامنے